یہ تمام اندرونی خلفشار اور بیرونی دباؤ سب پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت سے لاپروائی اور بے اعتنائی کی سزائیں ہیں۔اس سلسلے میں تمام عالم اسلام پر فرض ہے کہ جس رسول اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے، جہاں تک بس چلے اس کے احکامات کو بتمام وکمال نافذ کریں۔اہل پاکستان پر یہ فریضہ ان کے عہد و میثاق کی بدولت دو چند ہو جاتا ہے؛ کیونکہ انگریز سامراج اور ہندو اکثریت سے آزادی حاصل کرنے کے لیے قوم نے

"پاکستان کا مطلب کیا؟ لآإلٰہ إلا اللّٰہ"

کا نعرہ لگایا تھا، اسی مبارک کلمے کی خاطر لاکھوں مسلمانوں سے متاعِ جاں کے نذرانے وصول کیے گئے۔قوم نے اسی مقدس کلمے کے مطابق زندگی گزارنے کو آزادی کا نصب العین بنا رکھا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس وعدے کو اجتماعی طور پر طاق نسیان میں رکھ دیا گیا۔معلوم نہیں عوامی نمائندے، حکمران اور عوام سب نام نہاد آزادی کی خوشی میں پھولے نہ سمائے یا نوزائیدہ ملک کے سنگین مسائل نے انہیں اس جانب توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ دی۔

انسانوں کو امن و مروت کا عظیم تحفہ انسان کے خالق و مالک کا نازل کردہ قانون ہی دے سکتا ہے۔آج تک انسانیت اس سے بہتر نظام وضع کر سکی ہے نہ آئندہ کر سکے گی۔

اگر آج ہمیں ہر طرف بہتے ہوئے لہو، ہر سمت گرتے لاشوں، ہر جانب اجڑتے سہاگوں اور روز بروز بڑھتی یتیمی پر قابو پانا ہے، فرعونیت اور بہیمیت کے عریاں ناچ پر پابندی عائد کرنا ہے، کرپشن اور رشوت ستانی سے نجات حاصل کرنا ہے تو یہ اعلیٰ وارفع مقاصد صرف اور صرف کامل و مکمل اسلامی نظامِ شریعت کے نفاذ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔اس مقدس فریضے کی ادائیگی سے پہلوتہی کرنا اس وطن اور دین حق کے ساتھ بغاوت اور غداری ہے۔اللہ تعالیٰ قوم کو اس مشن پر قائم ہونے کی توفیق مرحمت فرما کر اسلامی فلاحی ریاست کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔آمین

❁❁......❁❁

نفع بخش اور نقصان دہ باتیں

[انتخاب: سمیرہ حمید اللہ طالبہ الاثر پبلک سکول غواڑی]

چار چیزیں ایسی ہیں جو بدن کو تباہ کر دیتی: غم، رنج، بھوک اور رات کا جاگنا۔

چار چیزں ایسی ہیں جو بغض وعناد پیدا کرتی ہیں: غرور، حسد، جھوٹ اور چغل خوری۔

چار چیزں ایسی ہیں جو رزق میں اضافہ کرتی ہیں: نماز تہجد کی ادائیگی، مغفرت کی دعا، صدقہ کرنا اور صبح و شام کے اذکار۔

درس قرآن

تراشۂ رحمانی درفوائدِ قرآنی

ڈاکٹر اسماعیل محمد امین

قال اللّٰہ تعالیٰ :﴿ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وإنھا لکبیرۃ إلا علی الخاشعین ۞ الذین یظنون أنھم ملٰقوا ربھم وأنھم إلیہ راجعون ۞﴾ [سورۃ البقرۃ ٤٥ ـ ٤٦]

''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو، اور وہ یقیناً بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو عاجزی کرنے والے ہیں، وہ جو یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور بلاشبہ وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آخری نبی ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کی دعوت دی؛ لیکن بنی اسرائیل کے دل حبِ مال و جاہ سے بھرے ہوئے تھے۔ یہی دو چیزیں ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ چونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے اور اللہ پاک انسان کے ظاہری اور باطنی تمام امور سے بخوبی واقف ہے؛ اسی لیے اللہ نے زیرِ تفسیر دونوں آیتوں میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا علاج بیان فرمایا کہ دراصل تم کو حبِ مال و جاہ کے غلبے کی وجہ سے ایمان لانا دشوار ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا وعدہ تم سے تمہاری کتابوں میں لیا گیا تھا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، صبر کرنے سے حبِ مال گھٹ جائے گا؛ کیونکہ مال اسی وجہ سے مطلوب ومحبوب ہے کہ وہ لذات وشہوات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب ان لذات وشہوات کی مطلق العنانی چھوڑنے پر ہمت باندھ لوگے، تو پھر مال کی فراوانی کی ضرورت رہے گی نہ اس کی محبت غالب آئے گی، کہ انسان کو اپنے حقیقی نفع ونقصان سے اندھا کردے۔ اور نماز سے حبِ مال وریاست کم ہوجائے گی؛ کیونکہ نماز ظاہری وباطنی ہر طرح کی پستی اور عاجزی کا نام ہے۔ جب نماز صحیح ادا کرنے کی عادت ہوجائے گی تو حُبِ جاہ ومنصب اور تکبر وغرور ختم ہوجائے گا۔[تفسیر الطبری، القاسمی، معارف القرآن]

(بالصبر) عربی لغت میں مطلق روکنے کو (الصبر) کہا جاتا ہے۔ اگر کسی کو باندھ کر قتل کیا جائے تو (قُتل فلان صبراً) کہا جاتا ہے۔[القرطبی] امام طبریؒ فرماتے ہیں ''نفس کو اس کی لذات اور شہوات سے روکنا اصل صبر ہے۔ جو مصیبت کے وقت اپنے نفس کو جزع فزع سے روکے، وہ صابر کہلاتا ہے۔ اور رمضان کے مہینے کو بھی صبر کا مہینہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ روزہ دار دن کو کھانے پینے اور شہوات سے اپنے نفس کو روکتے ہیں۔'' [الطبری]

صبر کی اصطلاحی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے سب سے جامع تعریف الشیخ سلیم ہلالی حفظہ اللہ کی ہے: ''نفس کو اللہ کی اطاعت کا پابند کرکے ہمیشہ اس کی حفاظت کرنا، پھر اخلاص کے ساتھ اس کی خبرگیری اور نگرانی کرتے

رہنا، اس کے ساتھ ساتھ اطاعت کو علم کے ذریعے مزین بنانا، مزید یہ کہ نفس کو گناہوں سے باز رکھنا اور خواہشات کے مقابلے پر جمے رہنا اور تقدیر پر بلا شکایت راضی رہنا صبر کہلاتا ہے۔" [الصبر الجميل في ضوء الكتاب والسنة ص ۹]

آیت مبارکہ میں صبر کا لفظ عام ہے جس میں صبر کے تمام معانی اور اقسام شامل ہیں؛ لیکن بعض علماء نے صبر سے مراد "روزہ" لیا ہے؛ کیونکہ روزے میں صبر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد نماز کا تذکرہ آیا ہے۔ نماز اور روزہ سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ [القرطبي] لیکن صبر کے معنی کو روزہ میں محصور کرنا تکلف سے خالی نہیں۔

(الصلاۃ) سے بعض علماء نے اس کے لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے "دعا" مراد لیا ہے؛ لیکن شرعی اصطلاح مراد لینا زیادہ واضح ہے۔ اور یہ عام ہے، فرض اور نفل نماز دونوں مراد ہیں۔ [القرطبي ،ابن العثيمين]

صبر سے مدد لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جب مصیبت آئے تو صبر کا دامن نہ چھوڑے، نیز شرعی پابندیوں کو نباہتے وقت بھی صبر کرے۔ [ابن العثيمين] نماز سے مدد لینے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا لب لباب اللہ کے حضور دل کو جھکانا اور عاجزی اختیار کرنا ہے، جو ایمان وعمل میں ثابت قدمی کے لیے سب سے بڑا مددگار ہے۔ نیز نماز کی پابندی کرتے ہوئے اس کے آداب اور شرعی تقاضوں کے مطابق ادا کرے تو یہی نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے؛ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إن الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشآء والمنكر﴾ [العنكبوت ٤٥]

اور یہ نماز رزق حاصل کرنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ﴿وَأْمُرْ أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقا نحن نرزقك والعاقبة للتقوىٰ﴾ [طٰه ١٤٢]

جب بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ سے مناجات کرتا ہے، تو اس کے سامنے دنیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں رہتی، وہ اللہ کے پاس نیک بندوں کے لیے جو انعامات ہیں ان کی رغبت کرتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کے عذاب وعقاب سے ڈر پیدا ہوتا ہے، تو اس کے لیے نیکی کرنا اور برائیوں سے اجتناب آسان ہو جاتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اسے رزق بھی دیتا ہے اور سکون والی زندگی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور نماز تمام اعمال کے لیے میزان کی حیثیت رکھتی ہے؛ اس لیے اس سے تمام امور کے لیے مدد لی جاسکتی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "كان رسول الله ﷺ إذا حزبه أمر صلىٰ" [سنن أبي داؤد ح ١٣١٩ حسنه الشيخ الألباني] "نبی ﷺ کی عادت تھی کہ جب بھی آپ کو پریشانی لاحق ہوتی تو آپ فوراً نماز پڑھتے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول ﷺ ساری رات نماز اور دعا میں مشغول رہے۔" [مسند الإمام احمد ١/ ١٢٥، ١٣٨ صححه الشيخ أحمد شاكر]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثم کے انتقال کی خبر ملی تو ﴿إنا لله ......﴾ پڑھا اور راستے سے ہٹ کر اپنا اونٹ بٹھایا، پھر لمبی نماز پڑھی اور زیر تفسیر آیت مبارکہ ﴿ واستعينوا بالصبر والصلوٰة ......﴾ کی تلاوت

کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔[المستدرك ٢/٢٦٩،التفسير الصحيح ١/١٥١]

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف﷛ کو غشی طاری ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ آپ فوت ہوگئے ہیں، آپ کی بیوی حضرت ام کلثوم رضي الله عنها (جو شروع میں ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں) نے مسجد جا کر نماز ادا کی اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کی۔[المستدرك ٢/٢٦٩،التفسير الصحيح ١/١٥٢]

مذکورہ احادیث اور آثار صحابہ﷡ سے صبر اور نماز سے مدد طلب کرنے کا طریقہ اور معنی واضح ہوجاتا ہے۔

﴿وإنها لكبيرة إلا على الخٰشعين ۝﴾ ''اور بلاشبہ یہ بہت بھاری کام ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر نہیں۔'' وہ کون سی چیز ہے جو اہل خشوع کے علاوہ دوسروں پر بھاری ہے؟ اور (إنها) سے پہلے (الصبر اور الصلاة) دونوں مذکور ہیں۔ اس لیے ضمیر کے مرجع کی تعیین میں علماء کے مابین اختلاف ہے:

{١} اس کا مرجع (الصلاة) ہے۔ یہی قول علماء کے ہاں مشہور ہے۔

{٢} نماز اور صبر دونوں کا مجموعہ اس کا مرجع ہے۔

{٣} (واستعينوا بالصبر والصلاة) سے مأخوذ لفظ (الاستعانة) یا (الخصلة) اس کا مرجع ہے۔

{٤} صلاة کو صبر پر غلبہ دے کر ضمیر مؤنث لائی گئی ہے، جیسا کہ ﴿وإذا رأوا تجارة أو لهواً انفضوا إليها﴾ میں ضمیر کا مرجع (تجارة) ہے، کیونکہ تجارت افضل اور اہم مقصود ہے۔

{٥} صبر (صلاة) میں داخل ہونے کی وجہ سے صلاۃ کی طرف ضمیر لوٹائی گئی ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿والله ورسوله أحق أن يرضوه﴾ یہاں (يرضوهما) نہیں کہا ہے؛ کیونکہ رضائے نبوی رضائے الٰہی میں داخل ہے۔'' [انظر: الطبری ،القرطبی ، ابن كثير]

﴿لكبيرة إلا على الخاشعين ۝﴾ یعنی یہ خاشعین پر بھاری اور مشقت والا نہیں؛ بلکہ ان کے لیے تو آسان ہے۔ (الخشوع) عربی لغت میں عاجزی و پستی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ '' خشع ببصره: اپنی نگاہ کو پست کیا۔ مكان خاشع: وہ جگہ جس کا راستہ نہ ملے۔ امام قرطبی اس کی تعریف میں فرماتے ہیں: ''نفس کے اندر اس ہیئت کو خشوع کہا جاتا ہے، جس کے آثار دوسرے اعضاء و جوارح پر سکون اور تواضع کی صورت میں ظاہر ہوں۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ''خشوع دل میں ہوتا ہے، جس سے خوف پیدا ہوتا ہے، اور نگاہ نیچی ہوجاتی ہے۔''

آثارِ خشوع کا قصداً اظہار کرنا بھی پسندیدہ نہیں۔ حضرت عمر﷛ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے، تو فرمایا: ''سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے۔'' ابراہیم نخعی کا ارشاد ہے: ''موٹا کھردرا پہننے اور سادہ غذا کھانے کا نام خشوع نہیں خشوع تو یہ ہے کہ تم حق کے معاملے میں معزز اور کمتر کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر فرض کیا ہے اسے

ادا کرنے میں اللہ کے لیے قلب کو فارغ کرلو'' حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے: ''حضرت عمرؓ جب بات کرتے تو واضح سناتے، جب چلتے تو تیز چلتے اور جب مارتے تو زور سے مارتے تھے؛ حالانکہ بلاشبہ وہ خشوع والے تھے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے خاشعین کی سی صورت بنانا شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے اور مذموم ہے۔ ہاں اگر بے اختیار یہ کیفیت ظاہر ہو جائے تو معذور ہے۔ اور سلف صالحین خشوع کو پوشیدہ رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: ''منافقانہ خشوع سے بچ کر رہو، کسی نے دریافت کیا: منافقانہ خشوع کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: جسم پر تو خشوع نظر آئے اور دل خشوع سے فارغ ہو۔'' [مدارج السالکین ۱/۵۲۱]

سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں: ''جب تک بندے کا ہر بال ڈر نہ جائے اس وقت تک اسے ''**خاشع**'' نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿**تقشعرّ منه جلود الذين يخشون ربهم**﴾ [الزمر ۲۳، القرطبی، معارف القرآن]

تنبیہ: خشوع کے ساتھ ایک دوسرا لفظ ''خضوع'' بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں۔ لیکن خشوع کا لفظ اصل کے اعتبار سے آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لیے بولا جاتا ہے، جبکہ وہ مصنوعی نہ ہو بلکہ قلبی خوف اور تواضع کا نتیجہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿**وخشعت الأصوات**﴾ [طٰہٰ ۱۰۸] ''آوازیں پست ہو گئیں'' اور خضوع کا لفظ بدن کے تواضع اور انکساری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**فظلت أعناقهم لها خاضعين**۝﴾ [الشعراء ٤] ''پس ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں'' اسی طرح نرمی اور تابعداری پر بھی خضوع کا اطلاق ہوتا ہے۔ [الشوکانی نقلاً عن الکشاف، معارف القرآن]

آیت مبارکہ میں (**الخاشعين**) کی تفسیر میں حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ سے مختلف روایات وارد ہوئی ہیں:

[۱] **الخاشعین** ان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل شریعت اور اللہ کے وعدے اور وعیدوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ [۲] اللہ سے ڈرنے والے۔ [۳] حقیقی معنوں میں ایمان لانے والے۔ [۴] تواضع کرنے والے۔ [الطبری، ابن کثیر، التفسیر الصحیح]

﴿**الذين يظنون**﴾ ظن اصل میں اس شک کو کہا جاتا ہے جو دونوں جانبوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو، اور یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ پس یہ کلماتِ اضداد میں سے ہے۔ زیر تفسیر آیت مبارکہ میں (**يظنون**) یقین کے معنی میں آیا ہے، اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: ﴿**ورأى المجرمون النار فظنوا أنهم مواقعوها**﴾ [الکہف ۵۳]، ﴿**إني ظننت أني ملق حسابيه**۝﴾ [الحاقة ۲۰] ان آیتوں میں بھی (ظن) بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔

امام طبری فرماتے ہیں: ''ظن'' بمعنی ''یقین'' استعمال ہونے پر عربی اشعار میں شواہد بے شمار ہیں۔ بلکہ امام مجاہدؒ نے مبالغہ آرائی کرتے ہوئے فرمایا: ''قرآن مجید میں (ظن) کا مادہ جتنی بار آیا ہے وہ سب علم اور یقین کے معنی ادا کرتا ہے۔ اس اثر کی سند کو حافظ ابن کثیر نے صحیح کہا ہے۔

ہمارے شیخ محترم فضیلۃ الاستاذ الدکتور حکمت بشیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر قرآنی ظن کے بارے میں یہ اطلاق کہ وہ ''یقین'' کے معنی میں آتا ہے، اگر مجاہدؒ یہ نہ کہتے تو زیادہ اچھا تھا؛ کیونکہ قرآن کی بعض آیات میں ''ظن'' اس کے اصل معنی (شک اور گمان) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لا یعلمون الکتٰب إلا أمانی وإن هم إلا یظنون ۝﴾ [التوبة ٧٨]، ﴿ما لهم به من علم إلا اتباع الظن ﴾ [النساء ١٥٧]، ﴿إن یتبعون إلا الظن وإن هم إلا یخرصون ۝﴾ [الأنعام ١١٦]، ﴿وما لهم بذلک من علم إن هم إلا یظنون ۝﴾ [الجاثیة ٢٤] وغیرہ [الطبری، القرطبی، ابن کثیر، التفسیر الصحیح].

زیرِ تفسیر آیت میں (ظن) یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے؛ کیونکہ انہوں نے آخرت کا مشاہدہ کیا نہیں ہے؛ لیکن ان کے ظن کو اتنی پختگی حاصل ہے کہ اس کا حکم یقین جیسا ہوگا۔ [الطبری] اس لیے جب ظن بمعنیٰ ''یقین'' ہو تو وہ محسوس چیزوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ آپ کو سامنے کوئی شخص نظر آرہا ہو تو اس کو (أظن هذا إنساناً) نہیں کہا جاتا۔ [القرطبی]

﴿أنهم ملقوا ربهم﴾ میں (أنهم) سے یہی ڈرنے والے مراد ہیں۔ (ملقوا) اصل میں ملاقون تھا، اضافت کی وجہ سے نون حذف ہوا ہے۔ اور یہ مفاعلہ سے اسم فاعل ہے؛ لیکن باب مفاعلہ میں دونوں جانب کی طرف سے مشارکت کا معنی پایا جاتا ہے؛ لیکن یہاں (ملقوا) باب کے اصل معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک جانب سے ہے، یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ کل قیامت کے دن اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔

﴿وأنهم إلیه راجعون﴾ یعنی ان کے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس کی تفسیر میں سلف سے دو اقوال مروی ہیں: [۱] وفات کے بعد اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ [۲] قیامت کے دن اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس قول کو امام طبری نے راجح کہا ہے۔ جس کی وضاحت دوسری آیت سے ہوتی ہے: ﴿کیف تکفرون باللہ وکنتم أمواتا فأحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم إلیه ترجعون ۝﴾ [البقرة ٢٨] اس آیت مبارکہ میں ﴿ثم یمیتکم﴾ موت کو پہلے ذکر کیا پھر دوبارہ زندہ کرنے کا تذکرہ فرمایا، پھر ارشاد فرمایا: ﴿ثم إلیه ترجعون﴾ اس سے قیامت کے دن اللہ کی طرف لوٹنا مراد ہے۔

دونوں آیات مبارکہ سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبر۱: ﴿واستعینوا بالصبر والصلوٰة﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صبر اور نماز سے مدد لینے کی راہنمائی فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر اور نماز سے مدد لینا ایک شرعی مستحب عمل ہے۔ یہ دونوں چیزیں پریشانیوں سے نکلنے کے بہت کارگر نسخے اور اللہ کے انعامات ہیں۔ خصوصاً آج جبکہ عالم اسلام پر ذلت وادبار کی گھٹائیں چھارہی ہیں، ان کے لیے یہ آیات روشنی فراہم کرتی ہیں۔ [ابن العثیمین، الفرقان]

فائدہ نمبر۲: کسی ایسی چیز سے مدد لینا جائز ہے جس میں مدد کی کوئی صورت ظاہر ہو یا اس میں مدد کرنے کی قدرت

موجود ہو، جیسا کہ جائز دنیاوی اسباب اختیار کرنا، مثلاً کسی زندہ انسان سے اپنا بوجھ اٹھانے میں مدد لینا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: " تعين الرجل في دابته فتحمله عليها أو ترفع له عليها متاعه صدقة " [صحيح البخاري ح ۲۸۹۱] " آپ کسی شخص کی مدد کرتے ہوئے اس کا سامان اس کی سواری پر رکھیں یا سامان اسے اٹھا کر دیں، یہ بھی صدقہ ہے۔" یعنی اس پر اجر ملے گا۔ لیکن جس سے مدد طلب کی جارہی ہے، اگر اس میں مدد کرنے کی قدرت نہ ہو تو یہ بے وقوفانہ حرکت ہوگی اور یہ بعض حالتوں میں اللہ کے ساتھ شرک بن جاتی ہے۔ جیسا کہ کسی فوت شدہ شخص سے مدد مانگنا یا کسی غائب شخص سے، جس کا اس جگہ پر پہنچنا اور مدد کرنا ناممکن ہو۔ [ابن العثيمين]

اللہ تعالیٰ نے "صبر" سے مدد لینے کا حکم فرما کر انسانی زندگی میں صبر کی اہمیت کو اجاگر کردیا ہے۔ اسی مناسبت سے کتاب وسنت کی روشنی میں **صبر کی اہمیت اور فضیلت** مختصراً ملاحظہ کریں:

امام احمدؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "صبـــــر" کا ذکر تقریباً ۹۰ جگہوں پر کیا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "صبر کے واجب ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ صبر نصف ایمان ہے اور دوسرا نصف شکر ہے۔"

صبر کی اہمیت درج ذیل وجوہ سے واضح ہوتی ہے:

{۱} اللہ پاک نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿ يـآ أيهـا الـذيـن امـنـوا استعينوا بالصبر والصلوٰة ﴾ [البقرة ۵۳] ﴿ يـآأيها الذين امنوا اصبروا وصابروا ﴾ [آل عمران ۲۰۰]

{۲} صبر کی ضد سے منع فرمایا، جیسا کہ جلد بازی سے۔ ارشاد فرمایا: ﴿ فاصبر كما صبر أولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم ﴾ [الأحقاف ۳۵] اور میدان جنگ سے بھاگنے سے منع فرمایا: ﴿ فلا تولوهم الأدبار ﴾ [الأنفال ۱۵۲]، کمزوری دکھانے سے منع فرمایا: ﴿ ولا تهنوا ولا تحزنوا ﴾ [آل عمران ۱۳۹]

{۳} صبر کرنے والوں کی تعریف کی: ﴿ والصّٰبرين في البأسآء والضرآء وحين البأس أولٓئك الذين صدقوا وأولٓئك هم المتقون ۞ ﴾ [البقرة ۱۷۷]

{۴} صبر کرنے والوں پر اپنی محبت لازم کردی: ﴿ والله يحب الصّٰبرين ۞ ﴾ [آل عمران ۱۴۶]

{۵} صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت خاصہ کو واجب فرمایا ہے: ﴿ واللّٰـه مع الصّٰبرين ۞ ﴾ [الأنفال ۷۷] "اللہ تعالیٰ (اپنی تائید، نصرت اور حفاظت کے اعتبار سے) صابرین کے ساتھ ہے۔"

{۶} اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ صبر ان کے لیے بہترین چیز ہے: ﴿ أن تصبروا خير لكم ﴾ [النساء ۲۵] فرمان نبوی ہے: " **عجباً لأمر المؤمن إن أمره كله خير وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن، إن أصابته سرآء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضرآء صبر فكان خيراً له** " [صحيح مسلم ح ۷۴۲۵]

{۷} صبر کرنے والوں کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دینے کا تاکیدی وعدہ فرمایا: ﴿ولنجزين الذين صبروا أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون﴾ [النحل ٩٧]

{۸} صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حساب اجر وثواب دینے کو اپنے اوپر لازم قرار دینا: ﴿إنما يوفى الصبرون أجرهم بغير حساب﴾ [الزمر ١٠]

{۹} اہل صبر کے لیے اللہ رب العزت کا مطلق طور پر خوشخبری سنانا: ﴿بشر الصبرين﴾ [البقرة ١٠٠]

{۱۰} صبر کرنے والوں کے لیے مدد اور نصرت کی ضمانت ملنا: ﴿بلى إن تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة الاف من الملآئكة مسوّمين﴾ [ال عمران ١٢٥] نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا "واعلم أن النصر مع الصبر" [الترمذی ح ٣٥١٦] "اور جان لو کہ نصرت صبر کے ساتھ ہوتی ہے۔"

{۱۱} اللہ کا یہ خبر دینا کہ صبر کرنے والے بڑے عزم وہمت والے ہوتے ہیں: ﴿ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور﴾ [الشوریٰ ٤٣]

{۱۲} اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ نیک اعمال کی توفیق اور اس کا اجر وثواب صرف صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔ صبر صرف وہی کرتے ہیں جو بڑے نصیبوں والے ہوتے ہیں: ﴿ويلكم ثواب الله خير لمن امن وعمل صالحا ولا يلقاها إلا الصبرون﴾ [القصص ٨٠] ﴿ومايلقاها إلا الذين صبروا وما يلقاها إلا ذو حظ عظيم﴾ [فصلت ٣٥]

{۱۳} اللہ تعالیٰ کا خبر دینا کہ اس کی آیات اور عبرت والی باتوں سے صرف اہل صبر مستفید ہوتے ہیں: ﴿ولقد أرسلنا موسى بايتنا أن أخرج قومك من الظلمات إلى النور وذكّرهم بأيّام الله إن في ذلك لأيات لكل صبّار شكور﴾ [ابراهيم ٥]، ﴿فجعلناهم أحاديث ومزقنا هم كل ممزق إن في ذلك لأيت لكل صبّار شكور﴾ [سبأ ١٩]

{۱۴} اللہ تعالیٰ کا یہ بیان کرنا کہ مطلوبہ اور پسندیدہ کامیابی اور ہر قسم کی پریشانی سے نجات اور جنت میں داخل ہونے کا سبب صبر ہے: ﴿والملآئكة يدخلون عليهم من كل باب سلام عليكم بماصبرتم فنعم عقبى الدار﴾

{۱۵} صبر سے امامت فی الدین کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: صبر اور یقین سے امامت فی الدین کا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھر آپ نے بطور استدلال یہ آیت پڑھی ﴿وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بايتنا يوقنون﴾ [السجدة ٢٤]

{۱۶} ایمان اور اسلام کے مقامات کے ساتھ صبر کا تذکرہ آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا تذکرہ یقین، ایمان، تقویٰ، توکل، عمل صالح اور رحمت کے ساتھ کیا ہے۔ [انظر مدارج السالكين ٢/١٥١-١٥٣]

صبر کی اس عظیم اہمیت کی وجہ سے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "ایمان میں صبر کو وہ مقام حاصل ہے جیسا کہ جسم کے لیے

سر کا ہے۔" اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے امام طبری فرماتے ہیں" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح سے عمل کا مجموعہ ہے۔ جس کے اندر صبر کا مادہ نہ ہو وہ عمل نہیں کر سکتا، تو وہ ایمان کا مطلق طور پر استحقاق نہیں رکھتا۔ [الطبری] اعمال شرعیہ کے مابین تفاوت ہے، ان میں سے کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے تارک سے ایمان مطلق طور سلب ہوتا ہے، جیسا کہ پانچ وقت کی نماز وغیرہ۔

{۱۷} صبر کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو صبر کے ساتھ متصف کیا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، یہ لوگ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں پھر بھی اللہ انہیں معاف کرتا ہے اور رزق بھی دیتا ہے۔" [البخاری ح۶۰۹۹]

نصوص شرعیہ کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں:

[۱] اللہ کی اطاعت پر صبر۔ یعنی جب تک کسی کے اندر صبر کا مادہ نہ ہو تو وہ اللہ کی اطاعت اور شرعی اوامر کی بجا آوری نہیں کر سکتا۔ [۲] اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے اجتناب پر صبر۔ [۳] مصیبت کے وقت صبر۔ جب انسان پر مصیبت آجائے اور اسی وقت صبر کرے تو وہ معتبر اور مقبول ہوگا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ایک عورت سے گزرے جو قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں صبر کی ترغیب دلائی تو اس نے کہا" جاؤ اپنا کام کرو" بعد میں انہیں پتہ چلا یہ نبی ﷺ تھے، تو وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آکر معذرت کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "إنما الصبر عند الصدمة الأولیٰ" [البخاری ح۱۲۸۳] مصیبت کے موقع پر صبر کرنے سے اللہ کی معصیت سے اجتناب پر صبر کرنا زیادہ اکمل اور افضل ہے؛ کیونکہ مصیبت کا آنا بندے کے اختیار میں نہیں، اس لیے صبر کے علاوہ کوئی اور تدبیر نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس صبر کی بھی اپنی جگہ پر بڑی اہمیت ہے، لیکن اللہ کی معصیت سے اجتناب میں بڑے مجاہدۃ النفس اور خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو جب عزیز مصر کی بیوی نے بدفعلی کی طرف آمادہ کرنے کی کوشش کی، باوجود اس کے کہ وہ جوانی کے عروج پر تھے وہ عورت خوبصورت تھی اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام ان کا غلام تھا اور قابو نہ آنے کی صورت میں انہیں دھمکی بھی ملی تھی۔ ان تمام عوامل اور اسباب کے باوجود یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے دامن کو اس گناہ سے بچانے میں صبر کرنا افضل ہے اس صبر سے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں نے آپ کو کنویں میں پھینک دیا اور بعد میں پیش آنے والے حالات پر صبر کیا۔ کیونکہ اس میں ان کے پاس صبر کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

پھر معصیت سے اجتناب پر صبر سے اللہ کی اطاعت پر صبر کو فوقیت حاصل ہے؛ کیونکہ نیکی کرنے میں دو چیزیں ہوتی ہیں اور دونوں میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے: اطاعت کی بجا آوری اور اس میں سستی آنے سے اپنے آپ کو روکنا، یہ ایجابی کے ساتھ ایجادی بھی ہے۔ جبکہ معصیت سے اجتناب میں صرف نفس کو روکنا ہی ہوتا ہے، اگرچہ یہ قسم بھی بعض حالات میں نفس پر

بہت گراں گزرتا ہے؛لیکن اطاعت والی قسم میں صبر اکثر حالات میں مشکل ہوتا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ نیکی کرنے کی مصلحت اللہ کے ہاں ترک معصیت کی مصلحت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس موضوع پر ایک تصنیف بھی ہے،جس میں انہوں نے "صبر علی الطاعة" کو "صبر عن المعصية" پر بیس وجوہات کی بناء پر فوقیت دی ہے۔[انظر مدارج السالكين ٢/١٥٥-١٥٦، شرح الأربعين لابن العثيمين] اس تفصیلی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر نیک صفات کی جڑ ہے۔اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ نے فرمایا ﴿واستعينوا بالصبر والصلوٰة﴾

فائدہ نمبر۴: آیت مبارکہ میں صبر کا مادہ اور قوت برداشت پیدا کرنے کی ترغیب ہے۔جب انسان کے اندر صبر وتحمل کا مادہ ہو تو بڑے بڑے کام کر گزرتا ہے اور اپنے اہداف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔اور مجرب بات ہے کہ جس کسی میں صبر نہ ہو تو وہ دورانِ عمل سستی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس سے بڑے بڑے خیر چھوٹ جاتے ہیں،مقصد پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس میں خرچ کیا ہوا مال اور وقت سب ضائع ہو جاتا ہے۔

اس لیے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کو عظیم نصیحت فرمائی" **احرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز**" [مسلم ح٦٧١٦] "نفع بخش چیز کے حصول کی خواہش کرتے ہوئے محنت کر اور اللہ سے مدد مانگ اور عاجزی نہ دکھا" [ابن العثيمين]

فائدہ نمبر۵: آیت مبارکہ سے نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔اور یہ عظیم ربانی نسخہ ہے،تمام پریشانیوں اور امورِ حیات کے مسائل کے حل میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔لیکن یہ تب ہوگا جب نماز تمام شرعی تقاضوں (آداب) کے مطابق ادا کی جائے؛جس میں خشوع،خضوع کا اہتمام ہو اور یہ ادائیگی رحمتِ الٰہی کی امید اور عذاب الٰہی سے خوف کی بنیاد پر ہو۔انہی امور کی طرف اشارہ دونوں آیتوں میں موجود ہے: ﴿وإنها لكبيرة إلا على الخاشعين ۞ الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم وأنهم إليه راجعون ۞﴾ اور اسے بوجھ محسوس نہ کرے بلکہ اس سے لذت اور سکون حاصل ہو،جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی نماز کی کیفیت تھی۔صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**وجعلت قرة عيني في الصلاة**" [النسائي ح٣٣٩١] "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔"لیکن اکثر لوگوں کی نماز صرف ظاہری اور رسمی ہوتی ہے،قلبی وروحانی نہیں ہوتی۔چنانچہ ایسی نماز اس شخص کے لیے مددگار ثابت نہیں ہوگی۔[ابن العثيمين]

فائدہ نمبر۶: دونوں آیات مبارکہ سے نماز میں خشوع کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔نماز کی ادائیگی آسان ہونے کے لیے خشوع کو ایک اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔کتاب وسنت میں خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔﴿ واقم الصلوٰة لذكري﴾ [طه ١٤] "اور نماز قائم کرو مجھے یاد کرنے کے لیے۔"پس جو نماز میں اللہ سے غافل ہوا اور اس کی توجہ اللہ کی طرف نہ ہو تو اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا۔﴿ ولا تكوننّ من الغافلين ۞﴾ [الأعراف ٢٠٥] "اور تو غافلوں میں سے ہرگز نہ ہو۔" ﴿وقوموا لله قانتين ۞﴾ [البقرة ٢٣٨] "اللہ کے حضور عاجزی سے کھڑے ہو۔"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علماء بیان کرتے ہیں: قنوت یہ ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے جسم پرسکون ہو، دل ڈر رہا ہو، آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور پہلو نرم پڑ چکے ہوں۔[تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی ۱/۱۸۸]

مؤمنین کی کامیابی کو خشوع والی نماز کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا: ﴿قد أفلح المؤمنون ۞ الذين هم في صلاتهم خاشعون ۞﴾[المؤمنون ۱-۲] اسی اہمیت کی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ خشوع نماز کی روح ہے۔ اگر روح نہ ہو تو جسم کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اتنی اہمیت کے باوجود خشوع کا مقام بہت نادر ہے؛ کیونکہ بہت جلد یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اور خاص طور سے اس زمانے میں خشوع عنقا ہو گیا ہے، جس کی نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی پیشنگوئی کی تھی: ''أول شيء يرفع من هذه الأمة الخشوع حتى لاترىٰ فيها خاشعا''[المعجم الكبير ۷/ ۳۵۴، المسند ۶/ ۲۷، صحيح الجامع ح۲۵۶۹] ''اس امت میں سب سے پہلے خشوع ختم ہوگا، وہ زمانہ بھی آئے گا کہ تمہیں ایک بھی خشوع والا آدمی نظر نہ آئے گا۔'' اس حدیث شریف کی وجہ سے کسی کے لیے خشوع کے حصول سے ناامید ہونا ہرگز زیب نہیں دیتا؛ بلکہ اگر کوئی مجاہدہ النفس کے ساتھ خشوع پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اسبابِ خشوع اختیار کرتے ہوئے موانع خشوع سے اجتناب کرے تو ان شاءاللہ خشوع پیدا ہو سکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا وإن الله لمع المحسنين ۞﴾[العنكبوت ۶۹]

زیرِ تفسیر آیات مبارکہ میں خشوع پیدا ہونے کے ایک اہم سبب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے: ﴿والذين يظنون أنهم ملقوا ربهم وأنهم إليه راجعون ۞﴾ اگر کسی کے تصورات پر ہمیشہ اللہ سے ملاقات اور اس کی طرف لوٹ کر جانے کے یقین کا غلبہ ہو تو اسی سے رغبت و رہبت، امید اور خوف پیدا ہوں گے، اب یقیناً وہ انتہائی عاجزی اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ اگر کوئی موت کو کثرت سے یاد کرے اور ہر نماز اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھے تو خشوع بھی بڑھ جائے گا، جس کی طرف نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے راہنمائی فرمائی: ''اذكر الموت في صلاتك، فإن الرجل إذا ذكر الموت في صلاته لحري أن يحسن صلاته، وصل صلاة رجلٍ لايظن أن يصلي صلاة غيرها وإياك وكل أمر يعتذر منه''[الصحيحة ۳/ ۴۰۸] ''اپنی نماز میں موت کو یاد کر، انسان کو جب موت یاد آجائے تو امید ہے کہ وہ پُرخلوص اور عمدہ نماز پڑھ لے اور اس شخص کی طرح نماز پڑھ جو یہ خیال کر رہا ہو کہ اسے دوسری نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ ہر اس کام سے اپنے آپ کو بچاؤ جس سے بعد میں معذرت کرنا پڑے۔'' اور ارشاد فرمایا'' صل صلاة مودّعٍ كأنك تراه فإن كنت لاتراه فإنه يراك''[المعجم الأوسط ح ۴۵۸۸، الصحيحة ۴/ ۵۴۴] ''اپنی نماز کو الوداعی سمجھ کر ادا کر اور اس طرح نماز پڑھ گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر آپ نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو ضرور دیکھ رہا ہے۔''

اسی طرح نماز کے اندر پڑھی جانے والی قرآنی آیات، اذکار اور دعاؤں کے معانی پر خوب غور کرو، تاکہ اللہ کی رحمت

کی امید اور عذاب سے خوف پیدا ہو جائے اور یہ تصور بھی پورا ہو کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہو رہا ہے۔ یقیناً وہ اللہ سے کلام کر رہا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: جب بندہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ اس کا جواب دیتا ہے۔

اسی طرح خشوع کے موانع (رکاوٹوں) کو دور کرنے کے لیے دنیا کے مشاغل اور مصروفیات سے فارغ ہو جائے۔ یعنی انسان سخت بھوک کی حالت میں خصوصاً کھانا بھی دسترخوان پر ہو یا قضائے حاجت کی ضرورت ہو یا نفلی نماز میں نیند کا غلبہ ہو، اسے یہ پتہ نہ ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، اس طرح کے حالات میں نماز نہ پڑھے؛ کیونکہ اس سے نماز کے خشوع میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "**لاصلاة بحضرة الطعام ولا وهو يدافعه الأخبثان**" [مسلم ح١٢٤٦] "کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب پاخانہ پیشاب اسے مجبور کر رہا ہو۔"

مکمل طہارت اور نماز کے ظاہری ارکان کو سنت کے مطابق ادا کرنے سے بھی نماز میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے والے مزید اسباب اور اس کی رکاوٹوں سے تفصیلی آگاہی کے لیے کتاب (**نماز میں خشوع کیوں اور کیسے؟** تالیف الشیخ محمد صالح المنجد) کا مطالعہ ضرور کریں۔

نماز میں خشوع کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "تھوڑی سی غفلت اور کم وسوسوں سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے؛ لیکن یہ ضرور اجر میں نقص کا سبب ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**ليس لک من صلاتک إلا ما عقلت فيها**" نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے "**إن العبد لينصرف وما يكتب له فيها إلا عُشرها، تُسعها، ثُمنها، سُبعها، سُدسها، خُمسها، رُبعها، ثُلثها، نصفها**" [سنن أبي داؤد ح٧٩٦ وحسنه الألباني] "بیشک بندہ نماز پڑھتا ہے، مگر ہر آدمی کا اجر مختلف لکھا جاتا ہے: دسواں حصہ، نواں حصہ، آٹھواں حصہ، ساتواں حصہ، چھٹا حصہ، پانچواں حصہ، تہائی حصہ یا آدھا حصہ۔" اس لیے کہ اس کو اتنی نماز کا اجر ملے گا جتنی اس نے سوچ سمجھ کر پڑھی ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "**ليس لک من صلا تک إلا ما عقلت**" فرائض میں جو نقص رہتا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے نفل نمازیں مشروع ہوئیں۔

نماز میں وسوسوں کا اتنا غلبہ ہو، جس سے خشوع مفقود ہو جائے تو بعض علماء کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے، اسے دہرانا پڑے گا؛ کیونکہ ان کے نزدیک نماز میں خشوع شرط صحت ہے۔ لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک اگر چہ اس کو عدم خشوع کی وجہ سے اجر و ثواب نہ ملے؛ لیکن اس پر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ عنداللہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**إذا أذن المؤذن بالصلوٰة أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع التأذين أقبل، فإذا ثوب بالصلاة أدبر فإذا قضى التثويب أقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول اذكر كذا اذكر كذا ما لم يكن يذكر حتى يظل الرجل لايدرى كم صلّٰى، فإذا وجد**

أحدكم ذلك فليسجد سجدتين " [البخاری ح۶۰۸،۱۲۲۲، مسلم الصلاۃ ۱۹] "اس حدیث سے فقہاء کا استدلال یہ ہے کہ جس شخص کو شیطان نے اس قدر غافل کر دیا کہ اسے یہ بھی خبر نہ رہی کہ اس نے کتنی نماز پڑھی۔ اس آدمی کو رسول اللہ ﷺ نے صرف سجدہ سہو کا حکم دیا، نماز دہرانے کا نہیں۔ اور اس میں کم وسوسے اور زیادہ کا بھی فرق نہیں کیا۔ یہی قول حق کے زیادہ قریب ہے؛ کیونکہ نصوص اور آثار میں اس طرح کی نماز کو دہرانے کی دلیل نہیں ملتی۔ لیکن جس کی نماز میں جتنے وسوسے کم ہوں گے اتنا اسے زیادہ اجر ملے گا۔ حضرت عثمان ؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "جو میری طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے جس میں وہ اپنے نفس سے بات نہ کرے (انتہائی خشوع وخضوع سے نماز پڑھے) اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔" [البخاری ح۱۵۹، ۱٦٤، وانظر الفتاویٰ ۲۳/۶۰۳-۶۱۳]

فائدہ نمبر۷: ﴿الذين يظنون أنهم ملٰقوا ربهم ......﴾ سے اللہ کی ملاقات ثابت ہو رہی ہے۔ دو کے آمنے سامنے ہونے کو ملاقات کہا جاتا ہے۔ اسی معنی سے امام بغوی ؒ نے آخرت میں اللہ کی رؤیت کو ثابت کیا ہے۔ الشیخ ابن العثیمین ؒ فرماتے ہیں: "اگر اس آیت سے بھی رؤیت کے لیے استدلال ثابت ہوا تو ٹھیک ہے، جیسا کہ بہت سے علماء نے استدلال کیا ہے؛ ورنہ قیامت کے دن رؤیت الٰہی کے ثبوت پر بہت سارے دوسرے دلائل موجود ہیں۔" [البغوی، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۸: ﴿الذين يظنون أنهم ملٰقوا ربهم ......﴾ اس میں قیامت کے برپا ہونے اور اللہ تعالیٰ جو مالک یوم الدین ہے، ان کے سامنے تمام مکلفین کے اعمال کا محاسبہ، پھر اسی کے مطابق جزا وسزا کا اثبات بھی ہے۔ یہی وہ عظیم نظریہ اور عقیدہ ہے۔ جس پر کسی کا ایمان جتنا پختہ ہوگا، اتنا اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی رغبت پیدا ہوگی اور جس کا یقین کمزور ہوگا اتنا اس پر اسلام پر چلنا اور نماز قائم کرنا مشکل ہوگا۔ اس میں اسلوب ترغیب اور ترہیب دونوں موجود ہیں۔ اسی لیے نصوص شرعیہ میں کثرت کے ساتھ آخرت کے دن پر یقین کا واسطہ دے کر اعمال صالحہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مثلاً نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الأخر فلا يؤذ جاره" [بخاری الرقاق باب ۲۳ ح۶٤۷۵ عن أبی هريرة] "جس کو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جس کو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔"

اسی عقیدہ پر پختہ یقین کی وجہ سے اہل ایمان کی تھکاوٹیں اور مشکلات ان کے لیے لذت اور راحت کا سبب بنتی تھیں اور میدان جنگ میں تلواروں کی وار کی شدت ذرا بھی حیثیت نہ رکھتی؛ بلکہ موت کی لذت کا حصول ان کی آرزو بن جاتی تھی۔ حتی کہ کہنے والے نے کہا:

ولست أبالي حين أقتل مسلماً ... على أي جنب كان في الله مصرعي

"مجھے پرواہ نہیں جب میں مسلمان مارا جاؤں کہ اللہ کے لیے کون سے پہلو پر گرتا ہوں۔"